"مُربّیوں میں رانیوں مہارانیوں کو رکھئے جن کی ذرا سی خوشامد کرکے آپ اپنے اخبار کو نفع کی چیز بنا سکتے ہیں۔"

"میری رانی مہارانی آپ ہی ہیں، تو آپ کے سامنے کسی رانی مہارانی کی حقیقت نہیں سمجھتا۔ جس میں دَیا اور گیان ہے، وہ میری رانی مہارانی ہے، خوشامد سے مجھے نفرت ہے۔"

کامنی نے چٹکی لی۔ "لیکن میری خوشامد تو آپ کر رہے ہیں، ایڈیٹر صاحب!"

ایڈیٹر نے متانت سے عقیدت بھرے لہجے میں کہا۔ "یہ خوشامد نہیں ہے شریمتی جی! دل کے سچے جذبات ہیں۔"

رائے صاحب نے پکارا "ایڈیٹر صاحب ذرا اِدھر آیئے گا، مس مالتی آپ سے کچھ کہتی ہیں۔"

ایڈیٹر کی وہ سب اکڑ غائب ہو گئی، عجز و انکسار کی مورت بنے ہوئے جا کر کھڑے ہو گئے۔ مالتی نے انہیں ترحمانہ نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ "میں ابھی کہہ رہی تھی کہ دنیا میں مجھے سب سے زیادہ ڈر ایڈیٹروں سے لگتا ہے۔ آپ لوگ جسے چاہیں ایک منٹ میں بگاڑ دیں۔ مجھی سے چیف سکریٹری صاحب نے ایک دفعہ کہا۔ "اگر میں اس بلاڈی اونکار ناتھ کو جیل میں بند کر سکوں تو خود کو خوش نصیب سمجھوں۔"

اونکار ناتھ کی بڑی بڑی مونچھیں تن گئیں اور آنکھوں میں غرور کی چمک آ گئی۔ یوں وہ بڑے متحمل مزاج آدمی تھے مگر یہ سُن کر ان کی مردانگی متحرک ہو جاتی تھی۔ استقلال کے لہجے میں بولے "اس مہربانی کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس بزم میں اپنا ذکر تو ہوتا ہے، خواہ کسی طرح ہو، آپ سکریٹری صاحب سے کہہ دیجئے گا کہ اونکار ناتھ ان آدمیوں میں نہیں

ہیں جو ان گیدڑ بھبکیوں سے ڈر جائیں۔ اس کا قلم اسی وقت رُکے گا جب اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس نے بے انصافی اور ظلم کو جڑ سے کھود کر پھینک دینے کا تہیہ کر لیا ہے۔"

مس مالتی نے اور اکسایا۔ "مگر آپ کا یہ وطیرہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب آپ معمولی خوش اطواری سے حکام کی مدد حاصل کر سکتے ہیں تو کیوں ان سے کنی کاٹتے ہیں؟ اگر آپ اپنی تنقیدوں میں آگ اور زہر ذرا کم کر دیں تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں آپ کو سرکار سے کافی مدد دلا سکتی ہوں۔ پبلک کو تو آپ نے دیکھ لیا، اس سے اپیل کی، اس کی خوشامد کی، اپنی مشکلیں کہیں، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اب ذرا حکام کو بھی آزما دیکھئے۔ تیسرے مہینے آپ موٹر پر نہ چلنے لگیں اور سرکاری دعوتوں میں مدعو نہ ہونے لگیں تو مجھے آپ جتنا چاہے کوسئے گا۔ تب یہی رئیس اور نیشنلسٹ جو آپ کی پروا نہیں کرتے آپ کے مکان کا طواف کریں گے۔"

اوتکار ناتھ نے گھمنڈ سے کہا۔ "یہی تو میں نہیں کر سکتا دیوی جی، میں نے اپنے اصولوں کو ہمیشہ بلند اور پاک رکھا ہے اور جیتے جی ان کی حفاظت کروں گا۔ دولت کے پجاری تو گلی گلی ملیں گے، میں اصول کے پجاریوں میں ہوں۔"

"میں اسے مکر کہتی ہوں۔"

"آپ کی خوشی۔"

"دھن کی آپ کو پروا نہیں؟"

"اصولوں کا خون کر کے نہیں۔"

"تو آپ کے اخبار میں بدیسی چیزوں کے اشتہار کیوں ہوتے

ہیں؟ میں نے کسی بھی اور اخبار میں اتنے بدیسی اشتہار نہیں دیکھے۔ آپ بنتے تو ہیں بڑے اصول پرست، مگر اپنے نفع کے لئے دیس کا دھن بدیس بھیجتے ہوئے آپ کو ذرا بھی رنج نہیں ہوتا۔ آپ کسی دلیل سے اپنے اس طرز کو حق بجانب نہیں قرار دے سکتے۔"

اونکارناتھ کے پاس سچ مچ کوئی جواب نہ تھا۔ انھیں بغلیں جھانکتے دیکھ کر رائے صاحب نے ان کی مدد کی: "تو آخر آپ کیا چاہتی ہیں؟ اِدھر سے بھی مارے جائیں اور اُدھر سے بھی مارے جائیں تو اخبار کیسے چلے گا؟"

مس مالتی نے رحم کرنا نہ سیکھا تھا بولی: "اخبار نہیں چلتا تو بند کر دیجئے۔ اپنا اخبار چلانے کے لئے آپ کو بدیسی چیزوں کے پرچار کا کوئی حق نہیں ہے۔ اگر آپ مجبور ہیں تو اصول کا ڈھنگ چھوڑیئے میں تو اصول پرست اخباروں کو دیکھ کر جل اٹھتی ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ دیا سلائی دکھا دوں۔ جو شخص قول و فعل میں یکسانیت نہیں رکھتا وہ اور چاہے جو کچھ ہو اصول پرست نہیں ہے۔"

مہتا کھل اٹھے، ذرا دیر قبل انھوں نے خود اسی خیال کو پیش کیا تھا۔ انھیں معلوم ہوا کہ اس عورت میں سوچنے کی سکت بھی ہے۔ یہ صرف تتلی نہیں ہے۔ تامل دور ہو گیا۔ بولے: "یہی بات میں ابھی کہہ رہا تھا قول فعل میں یکسانیت کا نہ ہونا ہی دغا ہے، مکاری ہے۔"

مالتی خوش ہو کر بولی: "تو اس بارے میں آپ اور ہم ایک ہیں، تو میں بھی فلاسفر ہونے کا دعویٰ کر سکتی ہوں؟"

کھنا کی زبان کھجلا رہی تھی بولے: "آپ کا ایک ایک عضو فلسفے میں ڈوبا ہوا ہے۔"

مالتی نے اُن کی راس کھینچی: "اچھا آپ کو بھی فلسفے میں دخل ہے؟ میں تو سمجھتی تھی کہ آپ بہت پہلے اپنے فلسفے کو گنگا جی کے حوالے کر بیٹھے ورنہ آپ اتنے بینکوں اور کمپنیوں کے ڈائرکٹر نہ ہوتے۔"

رائے صاحب نے کھنا کو سہارا دیا: "تو کیا آپ سمجھتی ہیں کہ فلاسفروں کو ہمیشہ فاقہ مست رہنا چاہیئے؟"

"جی ہاں، فلاسفر اگر رغبت پر فتح نہ پا سکے تو فلاسفر کیسا؟"

"اس لحاظ سے تو شاید مہتا صاحب بھی فلاسفر نہ ٹھہریں۔"

"مہتا نے آستین سی چڑھا کر کہا: "میں نے تو کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا، رائے صاحب! میں تو اتنا ہی جانتا ہوں کہ جن اوزاروں سے لوہا کام کرتا ہے ان اوزاروں سے سُنار نہیں کرتا۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آم بھی اسی حالت میں پھوے پھلے جیسے ببول یا تاڑ؟ میرے لئے دولت صرف اُن آسانیوں کا نام ہے جن میں میں اپنی زندگی کو بامعنی بنا سکوں۔ دولت میرے لئے بڑھنے اور پھولنے پھلنے والی چیز نہیں بلکہ صرف ذریعہ ہے۔ مجھے دولت کی بالکل خواہش نہیں، آپ صرف ویسے ذرائع مہیا کریں۔ جن سے میں اپنی زندگی کو کام کی چیز بنا سکوں۔"

اونکارناتھ سوشلسٹ تھے، شخصی فضیلت کو کیسے مان سکتے تھے؟ "اسی طرح ہر مزدور کہہ سکتا ہے کہ اسے کام کرنے کی آسانیوں کی غرض سے ایک ہزار ماہوار کی ضرورت ہے۔"

اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اس مزدور کے بغیر آپ کا کام نہیں چل سکتا تو آپ کو وہ آسانیاں دینی پڑیں گی۔ اگر وہی کام دوسرا مزدور کم مزدوری میں کر دے تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ پہلے مزدور کی خوشامد کریں۔"

اگر مزدوروں کے ہاتھ میں اختیار ہوتا تو مزدوروں کے لئے عورت اور شراب بھی اتنی ہی ضروری ہو جاتیں جتنی فلاسفروں کے لئے ؟"

"تو آپ یقین کیجئے میں ان سے حسد نہ کرتا۔"

"جب آپ کی زندگی بامعنی ہونے کے لئے عورت اس قدر ضروری ہے تو آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے ؟"

مہتاب نے بے تامل کہا۔ "اسی لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ آزادانہ عیش کوشی روح کے ارتقا میں رکاوٹ نہیں ڈالتی۔ شادی تو روح اور زندگی کو پنجرے میں بند کر دیتی ہے۔"

کھنا نے تائید کی۔ "پابندی اور نفس کشی پرانی تھیوریاں ہیں، نئی تھیوری ہے آزادانہ عیش کوشی۔"

مالتی نے چوٹی پکڑی۔ "تو اب مسز کھنا کو طلاق کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔"

"طلاق کا بل پاس تو ہو۔"

"شاید اس کا اولین استعمال آپ ہی کریں گے ؟"

کامنی نے مالتی کی طرف زہر آلود نگاہوں سے دیکھا اور منہ سکیڑ لیا گویا کہہ رہی ہوں۔ "کھنا تمہیں مبارک رہیں مجھے پروا نہیں۔"

مالتی نے مہتا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے مسٹر مہتا ؟"

مہتا متین بن گئے۔ وہ کسی مسئلے پر اپنی رائے دیتے تھے تو گویا اپنی کل جان اسی میں ڈال دیتے تھے۔ بولے۔ "بیاہ کو میں سماجی سمجھوتہ سمجھتا ہوں جسے رد کرنے کا اختیار نہ مرد کو ہے، نہ عورت کو سمجھوتہ کرنے سے پہلے

آپ آزاد ہیں مگر اس کے بعد آپ کے ہاتھ کٹ جاتے ہیں۔"

"تو آپ طلاق کے خلاف ہیں۔ کیوں؟"

"بالکل"

"اور آزادانہ عیش پرستی والا اصول؟"

"وہ ان کے لئے ہی جو بیاہ نہیں کرنا چاہتے۔"

"اپنی روح کا کامل ارتقاء سب ہی چاہتے ہیں، پھر بیاہ کون کرے اور کیوں کرے؟"

"اسی لئے کہ آزادی سب ہی چاہتے ہیں، مگر ایسے بہت کم ہیں جو لالچ کو روک سکیں۔"

"آپ بہتر کسے سمجھتے ہیں ازدواج کو یا تجرد کو؟"

"سماجی اعتبار سے ازدواج کو اور شخصی نقطہ خیال سے تجرد کو۔"

"دھنش بگیہ کا وقت قریب تھا۔ دس سے ایک بجے تک دھنش بگیہ اور ایک سے تین بجے تک ناٹک، یہ پروگرام تھا۔ کھانے کی تیاری شروع ہوئی۔ مہمانوں کے لئے بنگلے میں الگ الگ رہنے کا انتظام تھا۔

کھنا صاحب اور ان کی پارٹی کے لئے دو کمرے تھے اور بھی کتنے ہی مہمان آ گئے تھے۔ سب ہی اپنے اپنے کمرے میں گئے اور کپڑے بدل بدل کر دسترخوان پر جا بیٹھے۔ یہاں چھوت چھات کا کوئی ذکر نہ تھا۔ سب ہی ذات کے لوگ ایک ساتھ کھانا کھلنے بیٹھے صرف اونکارناتھ ایڈیٹر سب سے الگ کمرے میں پھلاہار کرنے چلے گئے اور کامنی کے سر میں درد تھا۔ پس اس نے کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ کھلنے کے وقت مہمانوں کی تعداد پچیس سے کم نہ تھی۔ شراب بھی تھی، گوشت بھی تھا۔ اس جلسے کے لئے

رائے صاحب عمدہ قسم کی شراب خاص طور پر تیار کراتے تھے۔ گوشت بھی کئی طرح کا پکتا تھا۔ کوفتہ، کباب اور پلاؤ۔ مُرغ، بکرا، ہرن، تیتر، بٹیر، جسے جو پسند ہو، کھائے۔

کھانا شروع ہوگیا تو مالتی نے پوچھا: "ایڈیٹر صاحب کہاں گئے؟" "کسی کو بھیجئے رائے صاحب، کہ انھیں پکڑ لائے۔" رائے صاحب نے کہا "وہ ویشنو ہیں، انھیں یہاں بلا کر کیوں بے چارے کا دھرم بگاڑو گی۔ بڑا ہی دھرم کرم والا آدمی ہے۔"

"اجی اور کچھ نہ سہی، تماشا تو رہے گا۔"

یکایک ایک صاحب کو اس نے دیکھ کر پکارا: "آپ بھی تشریف رکھتے ہیں، مرزا خورشید! اچھا، یہ کام آپ کے سپرد۔ آپ کی لیاقت کا امتحان ہو جائے گا۔"

مرزا خورشید گورے چٹے آدمی تھے، بھوری مونچھیں، نیلی آنکھیں دوہرا بدن، چاند پر کے بال صفاچٹ۔ چھ کلیا اچکن اور چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے۔ اوپر سے ہیٹ لگا لیتے تھے۔ کونسل کے ممبر تھے، مگر وہاں بیشتر اوقات خراٹے ہی لیتے رہتے تھے۔ رائے دینے کے وقت چونک پڑتے تھے اور منسٹروں کی طرف سے بول دیتے تھے۔ صوفی تھے، دو بار حج کر آئے تھے مگر شراب خوب پیتے تھے۔ کہتے تھے کہ جب ہم خدا کا ایک حکم بھی کبھی نہیں مانتے تو دین کے لئے کیوں جان دیں؟ بڑے پُر مذاق اور لاابالی انسان تھے۔ پہلے بصرے میں ٹھیکے کا کام کرتے تھے۔ لاکھوں کمائے مگر شامت اعمال کہ ایک میم سے آشنائی کر بیٹھے۔ مقدمے بازی ہوئی، جیل جاتے جاتے بچے۔ چوبیس گھنٹے کے اندر ملک سے نکل جانے کا

حکم ہوا۔ جو کچھ جہاں تھا وہیں چھوڑا اور صرف پچاس ہزار لے کر بھاگ کھڑے ہوئے بمبئی میں ان کے ایجنٹ تھے، سوچا تھا کہ ان سے حساب کتاب کر لیں گے اور جو کچھ نکلے گا اسی میں زندگی کاٹ دیں گے۔ مگر ایجنٹوں نے جعل کر کے ان سے وہ پچاس ہزار بھی اینٹھ لئے۔ مرزا اس وبال سے لکھنؤ چلے۔ گاڑی میں ایک مہاتما سے ملاقات ہوئی۔ مہاتما نے انھیں سبز باغ دکھا کر ان کی گھڑی، انگوٹھیاں اور روپئے سب اڑا دئے۔ بے چارے لکھنؤ پہنچے تو جسم کے کپڑوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ راجہ صاحب سے دیرینہ مراسم تھے۔ کچھ ان کی مدد سے کچھ اور دوستوں کی مدد سے ایک جوتے کی دوکان کھول لی۔ جو اب لکھنؤ کی سب سے زیادہ چلتی ہوئی دوکان تھی۔ چار پانچ سو روزانہ کی بکری تھی۔ عوام کو ان پر جیسی کچھ قدر تھی اتنا اعتقاد ہو گیا تھا کہ ایک بڑے بھاری مسلم تعلقدار کو نیچا دکھا کر کونسل میں پہنچ گئے تھے۔ اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے بولے "جی نہیں، میں کسی کا دین نہیں بگاڑتا۔ یہ کام آپ کو خود کرنا چاہئے۔ مرزا تو جب ہے کہ آپ انھیں شراب پلا کر چھوڑیں۔ یہ آپ کے معجزہ حسن کی آزمائش ہے۔"

چاروں طرف سے آوازیں آئیں "ہاں، ہاں، مس مالتی! آج اپنا کمال دکھائیے۔"

مالتی نے مرزا کو للکارا "کچھ انعام دو گے؟"

"سو روپئے کی تھیلی۔"

"ہش، سو روپئے! لاکھ روپئے کا دھرم بگاڑوں سو روپئے کے لئے!"

"اچھا آپ خود اپنی فیس بتائیے؟"

"ایک ہزار، کوڑی کم نہیں۔"

"اچھا منظور۔"

"جی نہیں لاکر مہتا صاحب کے ہاتھ میں رکھ دیجئے۔"

مرزا صاحب نے فوراً سو روپئے کا نوٹ جیب سے نکالا اور اسی دکھلاتے ہوئے کھڑے ہوکر بولے "بھائیو! یہ ہم سب مردوں کی عزت کا معاملہ ہے، اگر مس مالتی کی نہ پوری ہوئی تو ہمارے لئے کہیں منہ دکھانے کی جگہ نہ رہے گی اگر میرے پاس روپئے ہوتے تو میں مس مالتی کی ایک ایک ادا پر ایک ایک لاکھ روپئے قربان کردیتا۔ ایک قدیم شاعر نے اپنے معشوق کے ایک ایک سیاہ خال پر سمرقند اور بخارا کے صوبے نچھاور کردئے تھے! آج آپ سب ہی صاحبوں کی جوانمردی اور حسن پرستی کا امتحان ہے جس کے پاس جو کچھ ہو سچے سورما کی طرح نکال کر رکھ دے۔ آپ کو علم کی قسم اور معشوق کی اداؤں کی قسم اور اپنی عزت کی قسم پیچھے قدم نہ ہٹائیے۔ مردو! روپئے خرچ ہوجائیں گے مگر نام ہمیشہ کے لئے رہ جائے گا۔ ایسا تماشا لاکھوں میں بھی سستا ہے۔ دیکھئے لکھنؤ کے حسینوں کی ملکہ ایک زاہد پر اپنے حسن کا جادو کیسے چلاتی ہے۔"

تقریر ختم کرتے ہیں۔ مرزا صاحب نے ہر ایک پاکٹ کی تلاشی شروع کردی۔ پہلے مسٹر کھنا کی تلاشی ہوئی ان کی جیب سے پانچ روپئے نکلے۔

مرزا صاحب نے اداس ہوکر کہا۔ "واہ کھنا صاحب واہ، نام بڑے درشن چھوٹے! اتنی کمپنیوں کے ڈائرکٹر، لاکھوں کی آمدنی اور آپ کی جیب میں صرف پانچ روپئے لاحول ولاقوۃ! کہاں ہیں مہتا، آپ ذرا جاکر مسٹر کھنا سے کم سے کم سو روپئے وصول کرلائیے۔"

کھنا کھسیا کر بولے۔ "اجی ان کے پاس ایک پیسہ بھی نہ ہوگا۔ کون جانتا تھا کہ آپ یہاں تلاشی لینا شروع کردیں گے۔"

"خیر اب خاموش رہیئے، ہم اپنی قسمت تو آزمالیں۔"

"اچھا تو میں جاکر ان سے پوچھتا ہوں۔"

جی نہیں، آپ یہاں سے ہل نہیں سکتے۔ مسٹر مہتا آپ فلاسفر ہیں۔ ماہر علم النفس، دیکھئے اپنی بھد نہ کرایئے گا۔"

مہتا شراب پی کر مست ہو جاتے تھے۔ اسی مستی میں ان کا فلسفہ اڑ جاتا تھا اور زندہ دلی جاگ اٹھتی تھی۔ لپک کر مسز کھنا کے پاس گئے اور پانچ ہی منٹ میں منہ لٹکائے لوٹ آئے۔

مرزا نے پوچھا "ارے کیا خالی ہاتھ؟"

رائے صاحب ہنسے "قاضی کے گھر کے چور بھی سیانے!"

مرزا نے کہا "ہوں بڑے خوش نصیب کھنا، خدا کی قسم!"

مہتا نے قہقہہ لگایا اور جیب سے سو سو روپئے کے پانچ نوٹ نکالے مرزا نے دوڑ کر انھیں گلے لگا لیا۔

چاروں طرف سے آوازیں اٹھیں "کمال ہے! مانتا ہوں استاد! کیوں نہ ہو، فلاسفر ہی تو ٹھہرے!"

مرزا نے نوٹوں کو آنکھوں سے لگا کر کہا "بھئی مہتا! آج سے میں تمھارا مرید ہو گیا۔ بتاؤ کیا جادو مارا؟" مہتا اکڑ کر سُرخ سُرخ آنکھوں سے تاکتے ہوئے بولے "اجی کچھ نہیں۔ ایسا کونسا بڑا کام تھا؟ جاکر پوچھا، اندر آؤں؟ بولیں، آپ ہیں مہتا جی، آیئے۔ میں نے اندر جاکر کہا، وہاں لوگ برج کھیل رہی ہیں۔ مالتی پانچ سو روپیہ ہار گئی ہیں۔ اور اپنی انگوٹھی بیچ رہی ہیں۔ جو ہزار سے کم نہیں ہے۔ آپ نے تو دیکھا ہے۔ بس وہی۔ آپ کے پاس روپئے ہوں تو پانچ سو لے کر ایک ہزار کی جھنیز لے لیجئے۔ ایسا موقع پھر نہ ملے گا۔

مس مالتی نے اس وقت روپئے نہ دئے تو بے داغ نکل جائیں گے۔ بعد کو کون دیتا ہے؟ شاید اس لئے انھوں نے انگوٹھی نکالی ہو کہ پانچ سو روپئے کس کے پاس دھرے ہوں گے۔ یہ سُن کر وہ مسکرائیں اور جھٹ پٹ اپنی تھیلی سے پانچ نوٹ نکال کر دیدیئے اور بولیں میں کچھ لئے بغیر گھر سے نہیں نکلتی، نہ جانے کیا کب ضرورت پڑ جائے۔"

کھنا کھسیا کر بولے "جب ہمارے پروفیسروں کا یہ حال ہے تو یونیورسٹی کا ایشور ہی مالک ہے۔"

خورشید نے زخم پر نمک چھڑکا "ارے تو ایسی کون سی بڑی رقم ہے جس کے لئے آپ کا دل بیٹھا جاتا ہے؟ خدا جھوٹ نہ کہلائے تو یہ آپ کی ایک دن کی آمدنی ہے۔ بس سمجھ لیجئے گا ایک دن بیمار پڑ گئے۔ اور پھر روپیہ جائے گا بھی تو مس مالتی ہی کے ہاتھ میں اور آپ کے دردِ جگر کی دوا مس مالتی ہی کے پاس تو ہے۔" مالتی نے ٹھوکر دی۔ "دیکھئے مرزا جی، طویلے میں لتھاڑ اچھی نہیں۔"

مرزا نے دُم ہلائی "کان پکڑتا ہوں، مس صاحبہ۔"

مسٹر ٹنخا کی تلاش ہوئی۔ مشکل سے دس روپئے نکلے۔ مہتا کی جیب سے صرف اٹھنی نکلی۔ کئی اصحاب نے ایک ایک دو دو روپیہ اپنے آپ دیدیئے حساب جوڑا گیا تو تین سو کی کمی تھی۔ یہ کمی رائے صاحب نے فراخ دلی کے ساتھ پوری کر دی۔

ایڈیٹر صاحب نے میوے اور پھل کھائے تھے اور ذرا کمر سیدھی کر رہے تھے کہ رائے صاحب نے جا کر کہا۔ "آپ کو مس مالتی یاد کر رہی ہیں۔"

وہ خوش ہو کر بولے "زہے نصیب کہ مس مالتی مجھے یاد کر رہی ہیں۔"

رائے صاحب کے ساتھ ہی ہال میں پہنچ گئے۔

اِدھر نوکروں نے میزیں صاف کر دی تھیں۔ مالتی نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔

ایڈیٹر نے انکسار دکھایا، بولے "بیٹھئے، تکلف نہ کیجئے۔ میں اتنا بڑا آدمی نہیں ہوں"

مالتی نے عقیدت کے لہجہ میں کہا "آپ تکلف سمجھتے ہوں گے۔ لیکن میں سمجھتی ہوں کہ میں اپنی تو قیر بڑھا رہی ہوں۔ یوں آپ اپنے کو کچھ نہ سمجھیں اور آپ کے لئے زیبا بھی یہی ہے، مگر یہاں جتنے لوگ جمع ہیں وہ سب ہی آپ کی قومی اور ادبی خدمت سے خوب واقف ہیں۔ آپ نے اس دائرے میں جو اہم کام کیا ہے خواہ ابھی لوگ اس کی قدر نہ کریں۔ لیکن وہ وقت بہت دور نہیں ہے بلکہ میرے خیال سے بہت قریب آگیا ہے جب ہر شہر میں آپ کے نام پر سڑکیں بنیں گی۔ کلب کھلیں گے۔ اور ٹاؤن ہال میں آپ کی تصویر لٹکائی جائیگی اس وقت جو کم و بیش بیداری ہے وہ آپ ہی کی عظیم کوشش کا نتیجہ ہے آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ ملک میں اب آپ کے ایسے مقلد پیدا ہو گئے جو گرام سدھار کے کام میں آپ کا ہاتھ بٹانے کو تیار ہیں۔ اور ان سب کی بڑی خواہش ہے کہ یہ کام سنگھٹن کے ساتھ کیا جائے اور اس کے لئے ایک گاؤں سدھار سبھا بنائی جائے جس کے آپ صدر ہوں"

اونکار ناتھ کی زندگی میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ انھیں چوٹی کے آدمیوں میں اتنی عزت ملے۔ یوں وہ عام جلسوں میں کبھی کبھی بولتے اور کئی سبھاؤں کے سکرٹری اور اسسٹنٹ سکرٹری بھی تھے مگر تعلیم یافتہ جماعت نے اب تک ان کی جانب سے بے اعتنائی برتی تھی۔ ان لوگوں میں کسی طرح وہ مل جل نہ پاتے تھے اور اسی لئے جلسوں میں ان کی کاہلی اور خود غرضی کی شکایت کیا کرتے تھے اور اپنے اخبار میں ایک ایک کو دھر گھسیٹتے تھے، قلم تیز

تھا، کلمے سخت تھے، صاف گوئی کے بجائے ہرزہ گوئی کر بیٹھتے تھے۔ اس لئے لوگ انھیں خالی ڈھول سمجھتے تھے۔ اسی جماعت میں آج ان کی عزت! کہاں ہیں آج سوراج اور آزاد ہندوستان اور ہنٹر کے ایڈیٹر؟ آکر دیکھیں اور اپنا کلیجہ ٹھنڈا کریں! آج یقیناً ان پر دیوتاؤں کی مہربانی ہے۔ نیک کوشش کبھی بے کار نہیں جاتی؛ یہ رشیوں کا قول ہے وہ خود اپنی نظروں میں اُٹھ گئے تھے۔ ممونیت سے خوش ہو کر بولے "دیوی جی! آپ تو مجھے کانٹوں میں گھسیٹ رہی ہیں۔ میں نے تو عوام کی جو کچھ خدمت کی وہ اپنا فرض سمجھ کر کی ہیں اس عزت کو ذاتی نہیں بلکہ اس مقصد کی عزت رہا ہوں جس کے لئے میں نے اپنی زندگی قربان کر دی ہے۔ لیکن میری التجا ہے کہ صدر کا عہدہ کسی باعزت شخص کو دیا جائے عہدہ پر میرا اعتقاد نہیں میں تو خادم ہوں اور خدمت کرنا چاہتا ہوں"

مس مالتی اسے کسی طرح قبول نہیں کر سکتیں۔ صدر پنڈت جی کو بننا پڑے گا۔ شہر میں ایسا با اثر آدمی دوسرا نہیں دکھائی دیتا جس کے قلم میں جادو ہی، جس کی زبان میں جادو ہی اور جس کی شخصیت میں جادو ہی وہ کیسے کہہ سکتا ہی کہ وہ با اثر نہیں؟ وہ زمانہ گیا جب دولت اور اثر میں میل تھا! اب ذہانت اور اثر کے میل کا زمانہ ہی۔ ایڈیٹر صاحب کو وہ صدارت ضرور قبول کرنی ہوگی۔ سکرٹری مس مالتی ہوں گی۔ اس سبھا کے لئے ایک ہزار کا چندہ بھی ہو گیا ہی اور ابھی تو کل شہر اور صوبہ پڑا ہوا ہی۔ چار پانچ لاکھ ہو جانا تو معمولی بات ہی!

اونکار ناتھ پر کچھ نشہ سا چڑھنے لگا۔ ان کے دل میں جو ایک طرح کی سنسنی اُٹھ رہی تھی اس نے سنجیدہ ذمہ داری کی صورت اختیار کر لی۔ بولے

مگر آپ یہ سمجھ لیں مس مالتی کہ یہ بڑی ذمہ داری کا کام ہے اور آپ کو اپنا بہت سا وقت دینا پڑے گا! میں اپنی جانب سے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ سبھا کے مقام پر مجھے سب سے پہلے موجود پائیں گی۔"

مرزا صاحب نے بچا لڑا دیا: "آپ کا بڑے سے بڑا دشمن بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ اپنا فرض ادا کرنے میں کبھی کسی سے پیچھے رہی۔"

مس مالتی نے دیکھا کہ شراب کا اثر کچھ کچھ ہو رہا ہے تو اور بھی سنجیدہ ہو کر بولیں: "اگر ہم لوگ اس کام کی اہمیت نہ سمجھتے تو نہ یہ سبھا قائم ہوتی اور نہ آپ اس کے پریسیڈنٹ ہوتے۔ ہم کسی رئیس یا تعلقدار کو پریسیڈنٹ بنا کر روپیہ خوب بٹور سکتے اور خدمت کی آڑ میں اپنا مطلب پورا کر سکتے ہیں۔ مگر ہمارا یہ مقصد نہیں ہے۔ ہمارا واحد مقصد عوام کی خدمت کرنا ہے اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ آپ کا اخبار ہے۔ ہم نے طے کر لیا ہے کہ ہر شہر اور گاؤں میں اس کا پرچار کیا جائے اور جلد سے جلد اس کے گاہکوں کی تعداد بیس ہزار تک پہنچا دی جائے۔ صوبے کی کل میونسپلیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے چیئرمین صاحبان ہمارے دوست ہیں۔ کئی چیئرمین یہیں موجود ہیں۔ اگر ہر ایک نے پانچ سو کاپیاں لے لیں تو پچیس ہزار کاپیاں تو آپ یقینی سمجھیں۔ پھر راجہ صاحب اور مرزا جی کی یہ صلاح ہے کہ اس کے متعلق کونسل میں یہ تجویز پیش کی جائے کہ ہر گاؤں کے لئے بجلی کی ایک کاپی سرکاری طور پر منگائی جائے یا کچھ سالانہ امداد منظور کی جائے، یقین کامل ہے کہ یہ تجویز پاس ہو جائے گی۔"

اونکار ناتھ نے جیسے نشہ میں جھومتے ہوئے کہا: "ہمیں گورنر

کے پاس ڈیپوٹیشن لے جانا ہوگا۔"

مسٹر خورشید بولے "ضرور ضرور!"

"ان سے کہنا ہوگا کہ کسی مہذب حکومت کے لئے یہ کتنی شرم اور بدنامی کی بات ہے کہ گرام سدھار کا واحد اخبار ہونے پر بھی بجلی کی ہستی تک نہیں تسلیم کی جاتی۔"

"خورشید نے کہا ضرور، ضرور!"

"میں گھمنڈ نہیں کرتا۔ ابھی گھمنڈ کرنے کا وقت نہیں آیا۔ پر مجھے اس کا دعویٰ ہے کہ دیہاتی سنگھٹن کے لئے بجلی نے جتنا کام کیا ہے ....."

مسٹر مہتا نے اصلاح کی: "نہیں جناب تپسیا کہئے!"

"میں مسٹر مہتا کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہاں اسے تپسیا ہی کہنا چاہیئے، بڑی کٹھن تپسیا! بجلی نے جو تپسیا کی ہے وہ اس صوبے ہی کی نہیں بلکہ ملک کی تاریخ میں لاجواب ہے۔"

خورشید بولے "ضرور، ضرور!

مس مالتی نے ایک پیگ اور دیا، ہماری سبھا نے یہ بھی طے کیا ہے کہ کونسل میں اب کے جو جگہ خالی ہو اس کے لئے آپ کو کھڑا کیا جائے۔ آپ کو صرف اپنی منظوری دینی ہوگی، باقی یہ کام ہم لوگ کریں گے، آپ کو نہ خرچ سے مطلب نہ پرچار سے، نہ دوڑ دھوپ سے۔"

اوکار ناتھ کی آنکھوں کی روشنی دونی ہوگئی، فخریہ انکسار سے بولے: "میں آپ لوگوں کا خادم ہوں، جو کام چاہے لے

لیجئے۔"

"ہم لوگوں کو آپ سے ایسی ہی امید ہے۔ ہم اب تک فرضی دیوتاؤں کے سامنے ماتھا رگڑتے رگڑتے ہار گئے اور کچھ ہاتھ نہ لگا۔ اب ہم نے آپ کی ذات میں اپنا سچا رہنما، سچا مُرشد پایا ہے اور اس مبارک دن کی خوشی میں آج ہمیں یک دل اور یک زبان ہو کر اپنے غرور اور اپنی مکاری کو ترک کر دینا چاہیئے۔ ہم میں آج سے کوئی برہمن نہیں، کوئی شودر نہیں، کوئی ہندو نہیں، کوئی مسلمان نہیں، کوئی اونچا نہیں، کوئی نیچا نہیں۔ ہم سب لوگ ایک ہی ماں کے بچے، ایک ہی گود کے کھیلنے والے اور ایک ہی تھالی کے کھانے والے بھائی ہیں۔ جو لوگ تفریق پر اعتقاد رکھتے ہیں، جو لوگ علیحدگی اور کٹرپن کے قائل ہیں ان کے لئے ہماری سبھا میں گنجائش نہیں۔ جس سبھا کے پریسیڈنٹ شری اونکار ناتھ جی جیسے بڑے دل والے مہاشے ہوں اُس سبھا میں بڑے چھوٹے کا، کھانے پینے کا اور ذات پات کا امتیاز نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ اتحاد اور قومیت میں اعتقاد نہ رکھتے ہوں وہ براہِ کرم یہاں سے اُٹھ جائیں۔"

رائے صاحب نے شبہ ظاہر کیا۔ "میرے خیال میں اتحاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سب لوگ کھانے پینے کا بچار چھوڑ دیں۔ میں شراب نہیں پیتا تو کیا مجھے اس سبھا سے الگ ہو جانا پڑے گا؟"

مالتی نے بے مروّتی سے کہا۔ بے شک الگ ہو جانا پڑے گا آپ اس سبھا میں رہ کر کسی طرح کا امتیاز نہیں رکھ سکتے۔"

مہتا نے گھڑے کو ٹھونکا۔ "مجھے شک ہے کہ ہمارے پریسیڈنٹ

صاحب خود ہی کھانے پینے کے اتحاد پر یقین نہیں رکھتے۔"

اونکار ناتھ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس بدمعاش نے یہ کیا بے وقت کی شہنائی بجا دی؟ کمبخت کہیں گڑے مردے نہ اکھاڑنے لگے ورنہ یہ ساری خوش نصیبی سُپنے کی طرح خلا میں غائب ہو جائے گی۔"

مس مالتی نے ان کے چہرے کی طرف سوالیہ نگاہوں سے استقلال سے کہا: "آپ کا یہ شک بے بنیاد ہے، مہتا جی! کیا آپ سمجھتے ہیں کہ قومی اتحاد کا ایک بے نظیر حامی، ایسا فراخ دل شخص، ایسا طبیعت دار شاعر ان بے ہودہ اور شرمناک تفریقوں کا قائل ہوگا؟ ایسا شک کرنا اس کی قوم پرستی کو ذلیل کرنا ہے۔"

اونکار ناتھ کا چہرہ چمک اٹھا، خوشی اور اطمینان کی جھلک دوڑ گئی۔"

مالتی نے اسی لہجہ میں کہا: "اور اس سے بھی زیادہ ان کے مردانہ جذبات کی توہین کرنا ہے، ایک عورت کے ہاتھوں سے شراب کا پیالہ پاکر وہ کون مہذب شخص ہے جو انکار کر دے؟ یہ تو نسوانی طبقے کی توہین ہوگی۔ اُس طبقے کی جس کی نگاہ کے تیروں سے اپنے دل کو چھلنی بنانے کی خواہش بھی مردوں میں پائی جاتی ہے۔ اور جس کی اداؤں پر مٹنے کی ہوس بڑے بڑے راجے مہاراجے تک رکھتے ہیں۔ لائیے بوتل اور گلاس اور دور چلنے دیجئے۔ اس مبارک موقع پر کسی طرح کا شبہ یا کسی طرح کا عذر، غداری سے کم نہیں ہے۔ پہلے ہم اپنے پریسیڈنٹ صاحب کی صحت کا جام پئیں گے۔"

شراب سوڈا اور برف پہلے ہی سے تیار تھا۔ مالتی نے اونکار ناتھ کو اپنے ہاتھوں سرخ زہر سے بھرا ہوا گلاس دیا اور انھیں کچھ ایسی جادو بھری چتون سے دیکھا کہ ان کا سارا اعتقاد اور نجی برتری کا سارا خیال کافور ہو گیا۔ دل نے کہا " چال چلن ماحول کے تابع ہے۔ آج تم مفلس ہو۔ کسی موٹر کو گرد اڑاتے دیکھتے تو ایسا بگڑتے ہو، اسے پتھروں سے چور چور کر ڈالو گے لیکن کیا تمھارے دل میں موٹر کی تمنا نہیں ہے؟ ماحول ہی سب کچھ ہے بقیہ کچھ نہیں! باپ دادوں نے نہیں پی تھی تو نہ پی ہو، انھیں ایسا موقع ہی کب ملا تھا؟ ان کا رزق تو پوتھی پتھروں پر تھا۔ شراب لاتے کہاں سے؟ اور پیتے بھی تو جاتے کہاں؟ پھر وہ تو ریل گاڑی پر نہ چڑھتے تھے، نل کا پانی نہ پیتے تھے، انگریزی پڑھنا گناہ سمجھتے تھے۔ زمانہ کتنا بدل گیا ہے۔ وقت کے ساتھ اگر نہیں چل سکتے تو وہ تمھیں پیچھے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ ایسی حسینہ کے نازک ہاتھوں سے اگر زہر بھی ملے تو اسے قبول کرنا چاہیئے جس خوش نصیبی کے لئے بڑے بڑے راجے مہاراجے ترستے ہیں وہ آج ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔ کیا وہ اسے ٹھکرا سکتے ہیں؟

انھوں نے گلاس لیا اور سر جھکا کر اپنی ممنونیت کا اظہار کرتے ہوئے ایک ہی سانس میں پی گئے اور تب لوگوں کو متکبرانہ انداز سے دیکھا گویا کہہ رہے ہوں " اب تو آپ کو مجھ پر یقین آیا؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں بالکل پونگا پنڈت ہوں؟ اب تو آپ مجھے مکار اور فریبی کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے؟

ہال میں ایسا شور و غل مچا کہ کچھ نہ پوچھو جیسے مشاعرے میں بہار

قہقہے نکل پڑے ہوں۔" واہ دیوی جی کیا کہنا! کمال ہے مس مالتی کمال ہی توڑ دیا نمک کا قانون توڑ دیا دھرم کا قلعہ توڑ دیا۔ پارسائی کا گھڑا!

اونکار ناتھ کے حلق کے نیچے شراب کا اترنا تھا کہ ان کے منچلے پن میں گویائی آگئی۔ مسکرا کر بولے "میں نے اپنے دھرم کی امانت مس مالتی کے نازک ہاتھوں میں سونپ دی اور مجھے یقین ہے کہ وہ اس کی واجبی حفاظت کریں گی۔ ان کے کنول سے قدموں پر اپنے ایک ہزار دھرموں کو نچھاور کر سکتا ہوں۔"

قہقہوں سے ہال گونج اٹھا۔

ایڈیٹر صاحب کا چہرہ پھولا ہوا تھا، آنکھیں جھکی پڑتی تھیں، دوسرا گلاس بھر کر بولے "یہ مس مالتی کا جام صحت ہے، آپ لوگ نوش کریں اور انہیں دعائیں دیں۔"

لوگوں نے پھر اپنے اپنے گلاس خالی کر دیے۔

اسی وقت مرزا خورشید نے ایک مالا لا کر ایڈیٹر صاحب کے گلے میں ڈال دی اور کہا "صاحبو! فدوی نے ابھی اپنے معزز صدر صاحب کی شان میں ایک قصیدہ کہا ہے، اجازت ہو سنا دوں۔"

چاروں طرف سے آوازیں آئیں "ہاں ہاں، ضرور سنائیے!"

اونکار ناتھ بھنگ تو آئے دن پیا کرتے تھے اور ان کا دماغ اس نشے کا عادی ہو گیا تھا مگر شراب پینے کا یہ پہلا ہی موقع تھا۔ بھنگ کا نشہ رفتہ رفتہ نیند کی طرح آتا تھا اور دماغ پر بادل

کی طرح چھا جاتا تھا۔ احساس قائم رہتا تھا انھیں خود معلوم ہوتا رہتا تھا کہ اس وقت ان کی تقریر بڑی پچھے دار ہے۔ اور ان کا تخیل بہت بلند ہے۔ شراب کا نشہ ان پر شیر کی طرح جھپٹا اور دبوچ بیٹھا۔ کہتے کچھ ہیں اور منہ سے کچھ نکلتا ہے۔ پھر یہ بات بھی جاتی رہی۔ وہ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں، اس کا خیال ہی نہ رہ گیا۔ یہ خواب کے رومان والے عجائبات نہ تھے بلکہ بیداری کا وہ چکر تھا جس میں مجسم نامجسم ہو جاتا ہے۔ خدا جانے یہ بات ان کے دماغ میں کیسے آ گئی کہ قصیدہ پڑھنا کوئی بہت بُرا کام ہے۔ میز پر ہاتھ مار کر بولے "نہیں ہرگز نہیں۔ یہاں کوئی قصیدہ نہیں ہوگا۔ ہم پریسیڈنٹ ہیں۔ ہمارا حکم ہے ہم ابی (ابھی) اس سبا (سبھا) کو توڑ سکتے ہیں۔ ابی (ابھی) توڑ سکتے ہیں۔ سبی (سب ہی) کو نکال سکتے ہیں۔ کوئی ہمارا کچھ نہیں کر سکتا۔ ہم پریسیڈنٹ ہیں کوئی اور پریسیڈنٹ نئی (نہیں) ہی۔"

مرزا نے ہاتھ جوڑ کر کہا "حضور اس قصیدے میں تو آپ کی تعریف کی گئی ہی۔"

ایڈیٹر صاحب نے سُرخ مگر بے نور آنکھوں سے دیکھا "تم ہماری تعریپ (تعریف) کیوں کی؟ کیوں کی؟ بولو کیوں ہماری تعریپ (تعریف) کی؟ ہم کسی کا نوکر نئیں (نہیں) ہم کسی سالے کا دیا نہیں کھاتے ہم خود ایڈیٹر ہیں۔ ہم بجلی کا ایڈیٹر ہے۔ اس میں سب کا تعریف کرے گا۔ دیوی جی! ہم تمھارا تعریپ نہیں کرے گا۔ ہم کوئی بڑا آدمی نئی (نہیں) ہے۔ ہم سب کا گلام (غلام) ہے۔ ہم آپ کے پاؤں کا دھول ہے۔ مالتی دیوی ہماری لچھمی ہے، ہماری سرسوتی ہماری